⊙ محمد طارق انصاری

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو و اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

⊙⊙ ڈاکٹر روبینہ رفیق

صدر شعبہ اُردو و اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

اختر رضا سلیمی کے ناول جندر میں علاقائی زبان اور ثقافت کے اثرات

Abstract:

The influence of regional language and culture is significant in Akhtar Raza Salimi's novel 'Jander'. Novel, being the greatest genre of Urdu language has a greater capacity of linguistic content and cultural commentary than other genres of Urdu language. There, we can maintain that Pakistani Urdu novel has the impact of regional languages and culture. Due to its cultural and civilization aspects, Urdu language has an ability of expansion. The living and progressive languages have the capacity to absorb new words. The process of comprehension and acquisition synchronizes the language with the new times. Therefore, the adoption of modern, terms of science and arts helps expansion. Evolution has been innate in Urdu since its inception with the espousal of words of regional languages, people of different areas can come closer. As human beings, divided into different tribes and families, are in contact with each other; likewise, the languages, being apart, have deep concern amongst them.

Keywords:

Culture, Language, Novel, Jandar, Fiction

ادب کسی بھی معاشرے کے رہن سہن کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اردو ادب کی سب سے بڑی صنف ناول میں بھی یہ خوبی ہونی چاہیے کہ وہ اپنے متعلق عہد کی معاشرت اور زبان کا عکاس ہو۔ کہانی جس علاقے سے جڑی ہو اس علاقے کی

ثقافت اور زبان کو بعینہٖ پیش کیا گیا ہو۔ ثقافت اور زبان میں ہونے والی تبدیلیوں کو بھی واضح طور پر دیکھا جا سکے۔ بقول یوسف سرمست:

''ناول بنیادی طور پر ایسی صنف ہے جو زندگی کی تبدیلیوں سے راست رابطہ رکھتی ہے۔''(۱)

21 ویں صدی میں لکھے جانے والے اس ناول کی زبان موجودہ دور کی اردو زبان ہے جس میں کوئی تصنع اور بناوٹ نہیں ہے۔ مصنف نے علاقائی زبان ہندکو کے ان الفاظ کو جو اس ماحول کا حصہ ہیں اپنے بیانیے میں سمولیا ہے۔ کیونکہ ان الفاظ کا متبادل ہو بھی نہیں سکتا اور اگر ہو بھی تو قصے کی اصل روح اور زبان کی چاشنی میں فرق آتا ہے اردو زبان کی یہی خوبصورتی ہے کہ یہ اپنے اندر ایک ثقافتی اور تہذیبی پہلو رکھتی ہے۔ یہ اپنے علمی، ادبی اور مذہبی سرمائے کے اعتبار سے بڑی باثروت ہے۔ اس میں وسعت پذیری کی طاقت موجود ہے۔ یہ وسیع بھی ہے اور عمیق بھی۔ ہر طرح کے علوم وفنون کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ آج بھی اس میں بے پناہ گنجائش موجود ہے۔ یہ ہماری علاقائی ثقافت اور زبانوں کی آئینہ دار بھی ہے۔ کم عمر ہونے کے باوجود ادبی ولسانی حیثیت سے اس کا پلہ کئی زبانوں پر بھاری ہے۔ اردو زبان کی سب سے بڑی صنف ناول ہے۔ ناول میں لسانی مواد اور ثقافتی سرگرمیوں کو زیادہ بہتر انداز میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ماہر تاریخ بورک ہارڈٹ کے بقول:

''کلچر کی ابتدا ذہن سے ہوتی ہے جو غور وفکر کرتا ہے۔ اس فکر کو زبان میں ڈھالتا ہے اس لیے زبان کسی قوم کی روح کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتی ہے۔''(۲)

زندہ اور ترقی پسند زبانیں اپنے اندر نئے الفاظ کو سمو لینے کی خصوصیت رکھتی ہیں۔ اخذ واکتساب کا یہ عمل زبانوں کو نئے زمانے سے ہم آہنگ رکھتا ہے اور عہد جدید کے علوم وفنون کی اصطلاحات اپنانے کی وسعت پیدا ہوتی ہے۔

''زبان میں بتدریج اور غیر محسوس انداز میں صوتی، قواعدی، معنوی اور لغوی سطح پر تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ ان سے زبان میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور وہ بدلتے ہوئے سماجی، معاشرتی اور اقتصادی تقاضوں کو پورا کرنے کا وسیلہ بنتی ہے۔''(۳)

اس ناول کا عنوان لفظ ''جندر'' خود اپنے اندر پوری ثقافت سموئے ہوئے ہے۔ خالد محمود خان نے اپنی کتاب لفظوں کی ثقافت کا نظریہ اور ترجمہ کامل میں لفظوں کی ثقافت کے نظریے کی وضاحت کے لیے لفظ ''گنا'' کو موضوع بنایا ہے۔ اس تجربہ میں ''گنا'' کے پینتیس (۳۵) متغیرات کی وضاحت کی گئی ہے۔ ہر متغیرہ اپنی ثقافت رکھتا ہے مثلاً بیجا، پوگا، جڑاں، اکھیں، پاند، پٹھے، ٹوئیاں، گنیریاں، ٹوکہ، قاطی، ویلنا، کڑاہ، رَوہ، چوپاک، پت، ککو، گڑ، شکر وغیرہ۔ (ویسے یہاں اگر لفظوں کی ثقافت کی بجائے لفظ کے متعلقات کی بات کی جائے یا ''صنعت مراعات النظیر'' (رعایت لفظی) کہا جائے تو زیادہ بہتر ہو کیونکہ دیے گئے الفاظ کا آپس میں کوئی رشتہ یا انسلاک نہیں بنتا۔ عربی زبان میں لفظ کے مادہ سے دیگر الفاظ بنانا..... یا اردو میں ''مصدر'' سے ''حاصل مصدر'' بنانے کے لیے بھی یہ نظریہ میچ نہیں کرتا۔ اس مضمون میں یہ بحث اضافی ہے بلکہ ایک نئے مضمون کی متقاضی ہے۔)

''جس طرح انسان مختلف قبیلوں اور خاندانوں میں تقسیم ہیں اور آپس میں روابط رکھتے ہیں اسی

طرح زبانیں بھی مختلف ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔'' (۴)

اگر لفظ ''جندر'' کو بھی اسی نظریے سے دیکھا جائے تو بہت سے الفاظ ایسے ملتے ہیں جو جندر سے جڑی ثقافت کی نمائندگی کرتے ہیں مثلاً جندر کی کوک، چونگ، پاٹ، جندر کا کھارا، بوری، کٹھا، بار۔ بارنا (جندر باردوں گا)، کوچی، کھائی، سُوا، تھلا، لکڑی کے پشتے، نالی، جندر کا چرخہ، لکڑی کی پھٹیاں، جندروئی، آٹا پسائی (پسوائی)، پُڑ، موٹا آٹا، باریک آٹا، کٹائی (معاوضے کے طور پر لیا گیا آٹا)، منڈاسا وغیرہ۔

ناول جانگلوس میں شوکت صدیقی نے بھی یہ انداز اپنایا ہے مثلاً اینٹوں کے بھٹے سے متعلق اصطلاحات، زراعت، عدالت، محکمہ انہار وغیرہ۔ شمس الرحمٰن فاروقی کے ناول کئی چاند تھے سرِ آسماں میں بھی انھوں نے مختلف فنون سے منسلک الفاظ کو بیان کیا ہے۔ مثلاً مصوری، لکڑی پر نقش و نگار بنانا اور قالین بافی سے متعلق الفاظ کو خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔

ایک زمانہ تھا جب اردو کے چند مراکز تھے اور صرف انھی مراکز کی زبان کو مستند سمجھا جاتا تھا۔ جیسے جیسے اردو بولنے، سمجھنے اور لکھنے والوں میں اضافہ ہوتا گیا اقبال اور حفیظ نے خود کو منوالیا۔ کلاسیکی دور میں اردو خواص کی زبان رہی ہے لیکن نظیر اکبر آبادی نے اسے عوام کی زبان بنا کر نہ صرف زبان کو وسعت دی بلکہ خیال سے حقیقت کا روپ بھی دیا۔

> ''اسی طرح زبان کا لہجہ اور محاورہ ہے جو وقت کے ساتھ بدلتا رہتا ہے آج دلی میں جو اردو رائج ہے وہ اردوئے معلیٰ کہاں ہے؟ وہ غالبؔ کے زمانے کی زبان تو نہیں ہے غالبؔ کے زمانے میں جو اردو تھی وہ غالبؔ سے دوسو برس پہلے کی زبان تو نہیں تھی جس طرح معاشرہ بدلتا ہے اظہار کی صورتیں بھی بدلتی ہیں۔'' **(۵)**

لسانی تغیر پذیری گویا آغاز سے ہی اردو زبان کی سرشت میں داخل رہی ہے جیسا کہ ڈاکٹر سلطانہ بخش لکھتی ہیں:

> ''اردو زبان کو تو عام طور پر سولہویں صدی سے ہی رابطے کی زبان تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ اس رابطے کی توسیع عہد مغلیہ میں فارسی زبان کے واسطے سے ہوئی۔ اردو زبان کی ساخت میں پورے برصغیر کی قدیم اور جدید بولیوں کا حصہ ہے۔ یہ عربی اور فارسی جیسی دو عظیم زبانوں اور برصغیر کی تمام بولیوں سے مل کر بننے والی لغت اور صوتیات کے اعتبار سے دنیا کی سب سے بڑی اور قبول عام کے لحاظ سے ممتاز ترین زبان ہے۔'' **(۶)**

ویسے تو اردو نظم و نثر میں عربی فارسی اور ترکی کے علاوہ علاقائی زبانوں کے الفاظ اور ثقافت کے اثرات ہر دور میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ۱۹۶۰ء کے بعد لکھی جانے والی فکشن میں زیادہ واضح طور پر علاقائی زبانوں اور ثقافت کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں:

> ''یہ اثرات زبان کے لیے خوش کن اور مفید ہیں نئے الفاظ کو اردو کے قالب میں ڈھال کر جدید دور کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ زبان و ادب کے ذریعے مختلف علاقوں کے رہنے والے لوگ ایک دوسرے کے مزید قریب آ سکتے ہیں اور ایک دوسرے کے لسانی و ادبی سرمائے کو سمجھ کر

تہذیبی حوالوں سے ایک دوسرے کی شناخت میں مزید اضافہ ہوسکتا ہے۔''(۷)

ناول ''جندر'' میں بھی مصنف نے جہاں علاقائی ثقافت کو پیش کیا ہے وہاں علاقائی زبانوں کے الفاظ کو بھی اردو زبان میں سمو دیا ہے۔مثلاً:

لفظ	معانی	استعمال	صفحہ نمبر
جندر کی کوک	پن چکی کی آواز	جو اس وقت جندر کی کوک اور ندی کے شور سے مل کر ایک کرب آمیز سماں باندھ رہا ہے	۹
چونگ	وہ پوٹلی، بوری یا تھیلا جس میں گندم یا کوئی جنس پسنے کے لیے آئے۔اس کا وزن مقرر نہیں ہے	میں نے اپنی اور جندر دونوں کی زندگی کی آخری چونگ پیس کر گھومتے پاٹ کے ساتھ لگی لکڑی کی وہ کیل کھینچی تھی	۹
کھارا	پتھر کے پاٹوں کے اوپر ایک ٹینکی نما جگہ جس میں دانے ڈالتے ہیں۔سرائیکی و پنجابی میں اسے چکی کا ٹوپا کہتے ہیں۔	میں اسے جندر کے کھارے میں انڈیل کر جونہی لکڑی کی کیل نیچے گراتا	۱۰
جندروئی	پن چکی چلانے والا	اس کا باپ ایک جندروئی تھا	۱۴
راس۔کھڈے	ندی کا خشک حصہ یا درمیان میں موجود جگہ جہاں پانی نہ ہو۔کھڈا۔گڑھا	راس میں موجود کھڈوں میں ٹھہرے پانی پر آہستہ آہستہ کہرے کی ایک موٹی تہہ جما رہی تھی	۱۵
پھنگیں	شاخ کا آخری حصہ۔درخت کی چوٹی	قبر پر کانٹے دار پھنگیں نہ رکھی جائیں تو آدھی رات کے وقت بجو انسانی لاش کی بو پا کر قبرستان میں داخل ہوتا ہے۔	۱۹
بار	وقتی طور پر پانی بند کرنا تاکہ پاٹ رکے رہیں۔ ہندکو محاورہ ہے۔	میں جندر بار دوں گا	۵۱
وتر	زمین کے اندر نمی	وتر بھی نہیں تھا	۵۳
بوہا	دروازہ	اورنگزیب نے جلدی جلدی بوہے کو تالا لگایا	۵۳
بکروٹے	بکری کے بچے	بکری نے دو بکروٹے دیے	۶۳
پسار	ڈھارا۔برآمدہ،جس کے ایک طرف دیوار ہو اور باقی ستون ہوں اور ان پر چھت ہو۔	پھر اس نے جندر کے کمرے کے ساتھ پسار بھی ڈال دیا	۶۵
کٹھا	صاف پانی کا نالا۔قدرتی پانی آبشار یا چشمہ۔ ہندکو میں نالا گندے پانی کے لیے بولا جاتا ہے۔	پچھواڑے جا کر کٹھے میں منہ ہاتھ دھوتا	۶۵

ترسوں	پرسوں سے اگلا دن وہ گزرا ہوا یا آنے والا۔	آج کل چنگوں کا رش ہے ترسوں آنا	۶۷
تھلہ	چکی کے پاٹوں کی فاؤنڈیشن کے ساتھ بنی اونچی جگہ (چبوترا) جہاں دانے رکھتے ہیں۔	کانٹا ڈور اور طعمہ پھینک آ کر اسی جندر کے تھلے پر بیٹھ گیا	۷۵
اُسارنا	تعمیر کرنا	دیواریں اُسار کر ایک با قاعدہ کمرہ بنالوں	۷۷
جھاڑا۔ جوڑیاں	ندی۔ پانی کا نالا۔ چشمے سے نکلنے والا پانی۔ جوڑیاں ندی کا نام ہے	ان چشموں میں سے بیشتر جھاڑے گرمی کے دنوں میں سوکھ جاتے ہیں جس کی وجہ سے جوڑیاں میں پانی خاصا کم ہو جاتا ہے	۷۹
آنگلیس	دروازے کی کنڈی جو زنجیر کی طرح ہوتی ہے۔	ان دنوں دروازوں کے صرف باہر کی جانب کنڈیاں یا آنگلیس وغیرہ ہوا کرتی تھیں	۸۱
لیتری	مشترکہ عمل۔ کھیتوں میں بغیر معاوضہ سارے گاؤں کے لوگ مل کر کام کرتے ہیں۔ سرائیکی و پنجابی میں لفظ ''ونگار'' استعمال ہوتا ہے۔	کٹائی اور گاہی لیتری کی صورت میں مشترکہ طور پر ہوتی تھی	۹۶
فجر دم	صبح سویرے	فجر دم مقررہ مقام پر پہنچ جاتا	۹۷
ترنگلیس	کٹلری سیٹ میں استعمال ہونے والے کانٹے کی طرح۔ سائز میں بڑا ہوتا ہے۔ تین شاخا۔ لکڑی کا بنا ہوا	مرد ترنگلیس لے کر ہوا کا رخ بھانپتے اور بھوسا اڑاتے	۹۸
چھلی	مکئی کا سٹا	چھلیاں علاحدہ کرنے کا عمل شروع کر دیتیں	۱۰۰
پہوچھی	لیتری کی طرح کا عمل ہے۔ لیتری فصل کے لیے اور پہوچھی مکان تعمیر کرنے کے مشترکہ عمل کو کہتے ہیں۔	مٹی ڈالنے کے عمل کو پہوچھی کہا جاتا تھا	۱۰۰
پہاڑیا	پہاڑی علاقے میں رہنے والا	پہلا شخص میری طرح کوئی پہاڑیا ہی ہوا ہوگا	۱۰۸
بھیڑنا	بند کرنا	جندر کا دروازہ بھیڑتا	۲۵
نیو	بنیاد	اس جندر کی نیو پڑنے کے پیچھے جو کہانی ہے	۳۰
جریب	ماپنے کا پیمانہ ایک کینال لمبی رسی یا زنجیر	حکم دیا کہ جریب منگواؤ	۳۷

اردو زبان میں علاقائی زبان کے الفاظ کی شمولیت اردو زبان کی وسعت کا سبب ہے۔ اخذ و اکتساب کا عمل ہی زبان کو زندہ رکھتا ہے۔ اردو ناول کے لسانی پیمانے ،اردو شاعری کی طرح راسخ اور روایتی نہیں ہیں۔ جس علاقے سے کسی ناول کا خمیر اٹھایا جاتا ہے اس علاقے کی زبان اور ثقافت نا چاہتے ہوئے بھی اس ناول کے بیانیے میں شامل ہو جاتی ہے۔

''دراصل زبان انسانی اعمال کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ یہ اعمال چونکہ ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔

لہذا زبان بھی ہر لحظہ متغیر ہے۔''(۸)

جب تخلیق کار کا تعلق بھی کسی خاص علاقے سے ہو تو یہ عمل لاشعوری سطح پر خود بخود ہوتا چلا جاتا ہے۔ چونکہ ناول میں لسانی مواد اور ثقافتی سرو کار دیگر ادبی اصناف سے بڑھ کر ہوتا ہے اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ پاکستانی اردو ناول میں علاقائی زبانوں اور ثقافت کے اثرات موجود ہیں۔ اختر رضا سلیمی کا ناول جنـــدر اپنے علاقے کی بھرپور نمائندگی کرنے والا ناول ہے۔ اس ناول کے لفظ لفظ سے اس علاقے کی مٹی کی خوشبو آتی ہے۔ اس ناول میں ہمیں پہاڑی گاؤں جیتا جاگتا دکھائی دیتا ہے۔ قاری ان علاقوں کے موسموں اور وہاں کی پر مشقت زندگی کو محسوس کر سکتا ہے۔ اس ناول کو پڑھ کر لگتا ہے جیسے ہم کوئی تحریر نہیں پڑھ رہے بلکہ کوئی ڈاکومنٹری دیکھ رہے ہیں۔ بہترین فن پارہ اپنے اردگرد کی سچی تصویر ہوتا ہے۔ ناول جنـــدر پہاڑی گاؤں کے مناظر کی خوبصورت پینٹنگ ہے جس میں ندی، نالوں، جھرنوں اور چشموں کے پانی کی آواز تک سنائی دیتی ہے۔ وقت کے سیلاب میں بہتی زندگی کے بدلتے منظر واضح دیکھے جا سکتے ہیں۔ ناول کے ماجرے میں بھی انسانی زندگی، سائنسی ترقی کی بدولت پرانے رسم و رواج کو چھوڑ کر غیر محسوس انداز میں نئے دور سے ہم آہنگ ہوتی چلی جاتی ہے۔ ثقافت کے یہی بدلتے رنگ ناول جنـــدر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ہتھ چکی سے پن چکی (جندر) اور پھر بجلی سے چلنے والی آٹا مشین کا تین ادوار پر مشتمل طویل سفر اس ناول کا موضوع ہے۔

ہیری سیپر و نے ثقافت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔:

''ثقافت اکتسابی طرز عمل کا نام ہے۔ اکتسابی طرز عمل میں ہماری وہ تمام عادات 'افعال' خیالات اور اقدار شامل ہیں جنھیں ہم ایک منظم معاشرے یا گروہ یا خاندان کے رکن کی حیثیت سے عزیز رکھتے ہیں یا ان پر عمل کرتے ہیں یا ان پر عمل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔''(۹)

جنـــدر ثقافتی حوالے سے تین نسلوں کی کہانی ہے۔ کہانی میں گزرتے ہوئے وقت کے سامنے تین ادارے تبدیل ہو رہے ہیں:

1۔ معاشرہ 2۔ گاؤں 3۔ خاندان

پہلی نسل کے بزرگ بابا جمال کا خاندان میں مقام و مرتبہ، عزت و احترام اور اہمیت کا حامل ہے۔ ان کا طرز عمل اس قدر محبت و شفقت سے لبریز ہے۔ کہ ان کا وجود اس خاندان کے لیے ناگزیر ہے۔ جبکہ دوسری نسل میں باپ بیٹے کی سوچ میں فاصلہ ہے۔ جس سے خاندان کے بزرگ کی عزت اور سربراہی کا تصور دھندلا گیا ہے راحیل کی شہری زندگی میں ولی خان کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ راحیل اپنے باپ کے پیشے سے بھی نالاں ہے۔ جس کی وجہ سے باپ بیٹے کا رشتہ مصنوعی سا لگتا ہے۔ باپ کو (اپنی موت کے بعد) خدشات ہیں کہ اس کی موت کی خبر یا لاش کے بارے میں دوسروں کو کب معلوم ہوگا۔ تیسری نسل کا رشتہ گاؤں سے ٹوٹ چکا ہے۔ یہ نسل اپنی مٹی سے اتنی دور ہو چکی ہے کہ اب یہ گاؤں کی زندگی اپنانے سے قاصر ہیں بلکہ جسمانی لحاظ سے بھی گاؤں کے موسم ان کو راس نہیں آتے۔ راحیل کے بچوں کے بارے میں ولی محمد بتاتا ہے کہ:

''اس کے بچوں کو سردیوں کی چھٹیاں دسمبر کے تیسرے ہفتے میں ہوئیں۔ اس لیے وہ برف سے لطف اندوز نہ ہو سکے۔ اور گاؤں آنے کے تیسرے ہی روز صبح سویرے واپس شہر چلے گئے۔ کہ ان

کے نازک بدن، برف ڈھلنے کے بعد پڑنے والی اس کہر کی شدت برداشت نہیں کر سکتے تھے جو ٹھہرے ہوئے پانی پر شیشے کی ایک مضبوط تہہ جما دیتی ہے۔جس پر پاؤں رکھ کر میں اپنے بچپنے میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں دیکھا کرتا تھا۔''(۱۰)

اسی طرح گاؤں میں اجتماعی طرز حیات کا تصور قصہ پارینہ ہو چکا ہے۔لیتری اور پہوچھی جیسی رسمیں ختم ہو چکی ہیں۔سائنسی ترقی کی بدولت لوگ ایک دوسرے کے محتاج نہیں رہے۔جبکہ پرانی نسل کے لوگ ان رسموں کو مذہب سے بڑھ کر اہمیت دیتے تھے:

''یہاں تک کہ گاؤں کے مولوی صاحب ان لوگوں کو تو معاف کر دیتے تھے جو صرف عید نماز پڑھنے سال کے بعد مسجد کا رُخ کرتے تھے۔لیکن لیتری سے غیر حاضر ہونے والوں کو یوں دیکھتے تھے جیسے وہ کافر ہوں۔''(۱۱)

جندر میں ولی محمد اپنے ماضی کی یادوں کو بھلا نہیں سکتا اور بدلتی ثقافت کو روک نہیں سکتا وہ جندر کی گونج کا قیدی ہے اور یہ قیدی اپنی موت کا منتظر ہے۔اس کی موت کے ساتھ ہی جندر اور اس کی گونج کا خاتمہ ہو جائے گا۔پرانی رسمیں، باتیں، خیالات اور قدریں جو ولی محمد کو عزیز تھیں وہ ختم ہو رہی ہیں۔مثلاً:

☆ کسی کے فوت ہونے پر بغل گیر ہو کر باقاعدہ بین کرنا۔

☆ کاہو کے پتوں کو پانی میں گرم کر کے میت کو غسل دینا(بہت سے علاقوں میں اس مقصد کے لیے بیری کے پتے استعمال ہوتے ہیں)۔

☆ بجوا اور قبرستان سے متعلق قصے کہانیاں۔

☆ چالیسواں اور دیگر رسومات۔

☆ درخت پر منت کے دھاگے اور کپڑے باندھنا۔

☆ مرنے کے بعد شوہر کے لیے عورت کا غیر محرم ہو جانا اور اسے بیوی کی میت کا منہ نہ دیکھنے دینا۔

☆ لسی میں پکا ہوا سرسوں کا ساگ اور مکئی کی روٹی۔

☆ فصل کی کٹائی کا فیصلہ بزرگوں سے کروانا، دعا کے بعد.....میراثی کا ڈھول بجانا.....گاؤں کے سارے لوگوں کا مل کر فصل کاٹنا۔

☆ گھر کی تعمیر کے لیے بلا معاوضہ گاؤں کے لوگوں کا ہاتھ بٹانا۔

☆ شادی بیاہ پر سارے گاؤں سے برتن و دیگر سامان اکٹھا کرنا۔

وقت کے بدلتے دھارے اور سائنس کی ترقی سے یہ سب ختم ہوتا گیا۔ٹریکٹر، تھریشر کی آمد سے رسمیں ختم ہوئیں بیل غائب ہو گئے، قبر کی کھدائی کے لیے مزدور آ گئے، ٹینٹ سروس نے برتنوں کا مسئلہ حل کر دیا، بجلی سے چلنے والی آٹا مشین نے جندر کا خاتمہ کر دیا۔جندر مرمت کرنے والے مستریوں کا پیشہ ختم ہو گیا۔نیا زمانہ پرانے پر غالب آ گیا۔جندر گویا یہاں وقت کا استعارہ ہے۔پرانے لوگ، ثقافت اور انداز معدوم ہو جاتے ہیں اور نئی ایجادات اور نیا زمانہ ان کی جگہ لے لیتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ یوسف سرمست، بیسویں صدی میں اردو ناول، (نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ۲۰۰۰ء)، ص ۱۴

۲۔ الطاف حسین، وادی سندھ کے سرائیکی لوگ اور ان کی زبان (قدیم ترین دور سے برطانیوی دور تک) برصغیر کی تاریخ وتمدن پر اثرات، مشمولہ: ماہ نو، (لاہور: ادارہ مطبوعات پاکستان، اکتوبر ۲۰۰۰ء)، جلد ۵۳، شمارہ ۱۰، ص نمبر ۱۵

۳۔ فائزہ بٹ، انحراف زبان: نوعیت اور اسباب، مشمولہ: معیار، (اسلام آباد: شعبہ اردو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، جون ۲۰۱۶ء)، جلد ۱۵، ص نمبر ۲۷۱

۴۔ فرمان علی طاہر، اردو لغت نگاری، مشمولہ: ماہ نو، (لاہور: جولائی ۲۰۰۲ء)، جلد ۵۵، شمارہ ۷، ص ۱۷

۵۔ فیض احمد فیض، فیض احمد فیض اور پاکستانی ثقافت (تحریریں اور تقریریں)، (کراچی: پاکستان اسٹڈی سنٹر، جامعہ کراچی، مئی ۲۰۰۶ء)، مرتبہ: شیما مجید، ص ۹۲

۶۔ سلطانہ بخش، اردو زبان کی لسانی مفاہمت، مشمولہ اخبار اردو، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، اپریل ۲۰۱۲ء)، جلد ۳۰، شمارہ ۴، ص نمبر ۷

۷۔ سلطانہ بخش، اردو زبان کی لسانی مفاہمت، مشمولہ اخبار اردو، ص نمبر ۸

۸۔ فائزہ بٹ، انحراف زبان: نوعیت اور اسباب، مشمولہ: معیار، ص نمبر ۲۷۶

۹۔ ہیری سپیرو، ثقافت کا مسئلہ، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۷ء)، ترجمہ وحواشی: سید قاسم محمود، ص نمبر ۸

۱۰۔ اختر رضا سلیمی، جندر، (راولپنڈی: رمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء)، ص نمبر ۱۳

۱۱۔ ایضاً، ص نمبر ۱۱۰